یثرب کا مسافر سرزمین کربلا پر

آیۃ اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ، علی گڑھ

ارادوں میں پختگی اور عزائم میں استحکام، مقصد اور اصول کی بلندی کے لحاظ سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ مقاصد جتنے بلند ہوں گے انسان کا قدم ان کے حصول میں اتنی ہی تیزی سے آگے بڑھے گا مستقبل کی روشنی عہد آئندہ کا چمکتا ہوا پرامید آفتاب ماضی اور حال کی موجودہ اور گذری ہوئی تمام پیش نظر تاریکیوں کو اسی طرح چھانٹ دیتا ہے جیسے شب کے دھند لکے کے بعد سپیدۂ سحر کا نورانی اور ضیا بار جلوہ — مصائب اور آلام کے گرجتے ہوئے بادل ہمیشہ ان ہی سروں پر منڈلاتے رہے ہیں جن میں حصول مقصد اور منزل تک پہنچنے کی دُھن سما چکی تھی — یقیناً مصیبتوں کی چمکتی ہوئی بجلیوں نے، رنج وغم کی برستی ہوئی کالی گھٹاؤں نے، تلاش منزل کرنے والوں اور سراغ لگانے والوں کو ضرور بالضرور لرزہ براندام کر دیا ہو گا مگر مضبوط اور پُرعزم دل کے حوصلوں کو نہ کبھی دہلایا جا سکا۔ اور نہ ان پر رُعب وداب کا سکہ جمایا جا سکا قدم لرز سکتے ہیں، بدن کانپ سکتا ہے، ہاتھ تھرا سکتے ہیں مگر بلند مقصد کا جویا دل ہرگز مرعوب نہیں ہو سکتا۔

تکلیفوں، رنجوں اور غموں کے پہاڑ ایسے انسان پر گرتے ہیں اُسے کچلتے ہیں یقیناً وہ کچل جاتا ہے۔ جسم سرمہ اور بدن ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن یہی مصیبتیں اُسے دبا دبا کر اس کے عزم وارادہ میں وہ لچک پیدا کر دیتی ہیں کہ دب دب کر اُبھرنا اور کچل کچل کے سربلند ہونا اس کی خودداری کا تقاضا اور شرافت نفسانی کا مقتضا بن جاتا ہے یہاں تک کہ ظلم وستم اور جبر وتشدد کی حدیں مل جاتی ہیں مگر مظلومیت، صبر اور قوت برداشت کی سرحد کا نشان تک نہیں ملتا۔

بلند مقاصد کی جستجو ہی انسان کو سیلابوں کے مقابلہ اور حوادث وانقلابات کے طوفانوں سے برسر جنگ ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ کمزور، ضعیف البنیان، ناتواں انسان میں کہاں بھلا اتنی تاب تھی کہ وہ سمندروں کو اسی سینہ سے ریلتا ہوا اور پہاڑوں کا اسی دل وجگر سے مقابلہ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا۔ لیکن ارادے کی مضبوطی، عزم کا استحکام وہ تھا جس نے ذرہ کو آفتاب سے اور سنگ ریزہ کو سر بفلک پہاڑ سے ٹکرا دیا۔

حسینؑ وہ حسینؑ جن کے مقاصد کے نورانی تار خالق کے خزانۂ مشیت سے لئے ہوئے تھے جن کی نظر ایک اور صرف ایک خدا کی مرضیوں پر جمی ہوئی تھی جو اپنے مقاصد کے لئے نہیں الوہی مقاصد کو زندہ کرنے کے لئے کمربستہ وآمادہ ہوئے تھے۔ جو دل میں یہ جذبہ لے کر اُٹھے تھے کہ تو سہی، بندہ وہی بندہ جو دنیا کو بھولے ہوئے خدا کی یاد پھر دلا دے — بتاؤ جوان بلند مقاصد کو لے کر اٹھا ہو کیا اس کے سینے میں ہمالیہ ایسا دل نہ ہوگا جوان اونچے مقصدوں کا علمبردار ہو اس کا عزم وارادہ جبال راسیات سے باتیں نہ کر رہا ہو گا اس کی پشت پر

طاقتور خالق کا دستِ قدرت نہ ہوگا۔ یقیناً حسینؑ کے سامنے اگر اپنے مقاصد کے سلسلہ میں سیلاب مصائب تھا تو ان کے پہلو میں پہاڑ ایسا بلند اور مستحکم دل بھی تھا۔

وہ تمام مظالم کو تمام مصیبتوں کو صرف ایک سپر پر روک رہے تھے اور وہ ''جذبۂ نصرت حق'' یہ آواز حقانیت پر لبیک وہ تھی جس نے عالم کے دلوں کو ہمیشہ دہلایا اور آج بھی دہلا رہی ہے۔ اسلام کی هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنِیْ کی صدا حسینؑ ایسے دل ودماغ رکھنے والے کے لئے بڑی جگر خراش اور تکلیف دہ تھی۔ انھوں نے طے کرلیا کہ میری زندگی کا صرف ایک ماحصل اور مقصد ہے اور وہ حق کی نصرت، اچھا چاہے مجھے وطن کو چھوڑنا پڑے لیکن اسلام کو بے گھر نہ ہونے دوں گا، نانا کی قبر ماں کی لحد بھائی کا مزار سب کے چراغ میرے نہ ہونے سے بجھتے ہیں تو بجھ جائیں، مگر شمع حرام کو خاموش نہ ہونے دوں گا..........واللہ حسینؑ نے جو کہا وہ کرکے دکھادیا۔

مکہ میں جا کر پناہ لینا اور وہاں پناہ نہ ملنا۔ زندگی کے آخری حج کی تمنا اور حج نہ کرسکنا عمرہ سے بدل کر مکہ کو چھوڑ دینا۔ یہ وہ مصائب تھے جو حسینؑ نے ہنسی خوشی برداشت کئے کس بنا پر، صرف اپنے بلند مقصد کی امداد اور سہارے پر۔

رسولؐ کا نواسہ مدینہ سے ہجرت کرچکا، حسینؑ راستہ طے کررہے ہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے۔ دنیا مصیبتیں جھیلتی ہے، تکلیفیں اٹھاتی ہے زندہ رہنے کے لئے مگر حسینؑ مصائب برداشت کررہے ہیں۔ مرجانے کے لئے، لوگ منزلیں طے کرتے ہیں صعوبات سفر برداشت کرتے ہیں زندگی کے قائم رکھنے کے لئے اور حسینؑ سفر کررہے ہیں مسافتیں طے کررہے ہیں کاروانِ حیات کو موت کی منزل تک پہنچانے کے لئے۔

لیجئے حسینؑ کا سفر تمام ہوا مسافر منزل پر پہنچ گیا۔ مقصد کے فراق میں سرگرداں نقطۂ مقصد پر آ گیا۔ خودنہیں کسی کا لایا ہوا یثرب سے چلا ہوا مسافر، مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو چھوڑ کر تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا وہاں پہنچا جہاں کا وعدہ ازل سے ہوچکا تھا۔ آج محمدؐ کا نواسا عالم ازل سے انتظار کرتے کرتے اپنی اسی وعدہ گاہ پر آ ہی گیا، حسینؑ کو خوشی ہوگی، دل شاد وفرحاں ہوگا کہ الحمدللہ اس منزل پر کاروان سفر ٹھوکریں کھاتے کھاتے پہنچ گیا، جس کا مجھ ہی کو نہیں میرے نانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بابا علیؑ مرتضیٰ کو مجھ سے پہلے انتظار رہ چکا تھا۔

کربلا کا فاتح زمین کربلا پر اُترا۔ کہا جاتا ہے کہ امام کا وفادار گھوڑا چلتے چلتے یکبارگی رُک گیا امام کو توجہ ہوئی اصحاب سے مخاطب ہوکر دریافت کیا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ کسی کہنے والے نے کہہ دیا کہ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ حسینؑ کے لئے یہ آواز کوئی نامانوس آواز نہ تھی۔

وہ ابتدائے آفرینش سے کربلا کا نام سنتے رہے تھے — ماں کی آغوش، باپ کی آغوش اور نانا کی آغوش میں رہ کر بھی انتظار اسی گود کا تھا، جہاں حسینؑ اپنے کو پا رہے تھے۔

ارض کربلا پر قدم رکھتے ہی امام حسینؑ نے فرمایا کہ واللہ یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے، جہاں ہماری عزت وحرمت کو برباد اور تباہ کیا جائے گا۔ گویا امام ان الفاظ کے واسطہ سے اپنے اصحاب، اعوان وانصار کے دلوں کی گہرائیوں کا اندازہ کرنا چاہتے تھے کیا کہنا ان وفادار ثابت قدم اور پُرجگر اصحاب کا حسینؑ کے یہ الفاظ ان کے عزائم اور ارادوں کے لئے ممد ومعاون اور سہارا ثابت ہوئے۔ یاد رہے کہ مصیبتیں آجانے کے بعد، بھنور میں پھنس جانے کے بعد، سیلاب کی زد پر آچکنے کے بعد، شیر کے پنجہ میں گرفتار

ہوجانے کے بعد، جان گنوانا اور اُف نہ کرنا اور ہے لیکن پہلے سے ہلاکت کے یقین کے بعد موت کا منھ دیکھ لینے کے بعد موت کے تخیل کی تصدیق امام کی زبانی ہوچکنے کے بعد، فنا کے آغوش میں ہنستے، کھیلتے اور مسکراتے جانا اصحاب حسینؑ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

موت کی بجلی چمکے اور آنکھیں نہ جھپکیں، لڑتی رہیں، فنا کے بادل گرجیں، بدن نہ کانپے ثبات اور بڑھتا جائے۔ مصائب کا سیلاب بڑھے شناور نہ ڈوبے اور ابھرتا جائے۔ یہ مرقع یہ منظر اور کہاں ہے بس کربلا کے دامن میں اصحاب حسینی کی روشن سیرتوں میں۔

اچھا حسینؑ اترے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔

وہ عرب کی دھوپ، وہ آفتاب کی تمازت، وہ گرمی کی شدت وہ جلتی ہوئی زمین، وہ تپتا ہوا جنگل اور حسینؑ کے خیموں کا فرات کے کنارے سے ہٹ کر کربلا کی گرم ریتی پر لگایا جانا۔

حسینؑ کے ساتھ بچوں اور سرد خون کے بوڑھوں کے علاوہ گرم جوش حوصلہ مند باہمت جوان بھی تھے۔ لیکن یہ کہنا کہ اصحاب حسینی کی اطاعت کی کوئی ایک زبان وہ نہ تھی جو امام کے حکم سے سرتابی کرتی ہوئی نظر آتی، خیر یہ بھی وقت آیا اور گذر گیا۔

زمانہ تیزی سے گذر رہا ہے لیکن حسینؑ ہر گذرتے ہوئے لمحے کو اپنی معصومیت کا گواہ بنا بنا کر رخصت کر رہے ہیں۔ صلح کی گفتگوئیں جاری ہیں ہر امکانی کوشش امن وسلامتی کی جاری ہے۔ ہوگا وہی جس کی خبر حسینؑ پہلے دے چکے ہیں۔ مگر فریب وسیاست کے جالوں کا ہر ہر تار حیلہ سازی اور عذر تراشی کا ہر ہر موقع کیوں نہ قطع کر دیا جائے، ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومیت کی سرخی کیوں نہ اتنی نمایاں ہوجائے کہ فلک پر شفق بن کے ظاہر ہو۔ امام حسینؑ چاہتے تھے کہ میں حق کو باطل اور باطل کو حق سے اس طرح الگ کر دوں کہ ہر کور باطن اور دل کے اندھے متعصب کو بھی گنجائش چون وچرا باقی نہ رہے۔

لیکن ادھر امام حسینؑ کی وہ صلح جویانہ کوشش اور دشمن پر اتمام حجت کی آخری منزلیں اور اُدھر طاقت وقوت پر گھمنڈ، ظلم وستم، جبر وتشدد پر غرور، حکومت کا نشہ، دولت وسلطنت کی سرمستی، جاہ وجلال، مال ومنال، فوج ولشکر پر ناز، اپنی فتح کا یقین، یہ وہ چیزیں تھیں کہ امام حسینؑ صلح وآشتی اور قیام امن کی پیش کشیں اور درخواستیں کرتے رہے اور اس کے جواب میں انکار پر انکار تردید پر تردید ہوتی رہی۔

ظالم کو کیا معلوم تھا کہ میرے ظلم وتشدد کی پونجی سے کہیں زیادہ مدمقابل کی مظلومیت کا سرمایہ ہے، وہ ظاہر بین نگاہیں کیا جانیں کہ حسینؑ کے دل میں عزم کی کتنی گہرائیاں ہیں ان کے استقلال وثبات کی کیا منزل ہے۔ وہ ظلم سے حق کو دبانا چاہتا ہے۔ حسینؑ مظلومیت سے حق کو اُبھارنا چاہتے تھے۔

ساتویں محرم آئی اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ العطش العطش کے جگر خراش نعرے بلند ہوئے، لیکن قربان ہوں ہماری جانیں ان بچوں سے لے کر ان بوڑھوں اور پھر پردہ دار عورتوں پر جن کے عزم وارادہ میں فرق کیسا۔ بلکہ استحکام اور ثابت قدمی اور بڑھتی گئی۔ لحات زمانہ گذرتے گذرتے اور انتظار کی گھڑیاں کٹتے ہوئے عاشور کی رات اپنے خوفناک ومصیبت ناک پیکر میں اضطراب وبے چینی کی دنیا اپنے ساتھ لے کر آئی۔ یوں تو بہت سی راتیں آئیں اور گذر گئیں مگر کربلا کی سرزمین پر شب عاشور جن خصوصیات کو اپنے دامن میں لے کر آئی وہ نہ اس سے پہلے نظر آتے ہیں اور نہ اس کے بعد دنیا میں ایسے مواقع حاصل کئے گئے ہوں گے۔ مہلتیں لی گئیں ہوں گی لیکن فوجوں کو بڑھانے

کے لئے، لشکروں میں اضافہ کے واسطے، تلواروں پر صیقل اور نیزوں کو تیز کرنے کی غرض سے۔ مگر کربلا کی یہ انوکھی رات کی مہلت، جو امام حسینؑ نے اپنے بھائی عباسؑ کو بھیج کر بہ کوشش حاصل کی کچھ عجیب وغریب مقاصد کی بنا پر حاصل کی گئی تھی وہ تکبیروں کی بلند ہوتی ہوئی صدائیں وہ تلاوت قرآن کی بڑھتی ہوئی آوازیں، وہ محراب عبادت میں شمشیر آبدار کی خمیدگی کے منظر وہ رکوع وسجود اور نمازوں میں پیچ وخم کے ساتھ جہاد کے ولولوں اور حوصلوں میں اضافے، وفاداری، ایفائے عہد، اپنی بات پر آخر دم تک قائم رہنے کی یقین دہانیاں نصرت حق کے واسطے وہ آپس میں باہم قسمیں اور حلف برداریاں، یہی تذکرے، یہی چرچے، یہی عبادتیں، یہی تلاوتیں، ہر طرف ہر گوشے میں گویا یہ ایک طرف اللہ کی تسبیح خوانی کر رہے تھے اور دوسری طرف کربلا کی خاک کے ذرے ان کی تسبیحوں اور عبادتوں کو دیکھ کر ان کے ثناگستر و تسبیح خواں بنے ہوئے تھے۔

چاند کی پھیلی ہوئی چاندنی، فضائے کائنات کا سناٹا، نہر فرات کی خاموش موجیں، تھما ہوا پانی، رُک رُک کے دبے پاؤں چلتی ہوئی ہوائیں ان عبادت گذاروں کی زیارتیں کر رہی تھیں، عاشور کی شب یوں ہی بسر ہوئی آج کے نکلتے ہوئے آفتاب کا رنگ ہی اور تھا۔ زرد چہرہ، تھرتھرائی ہوئی کرنیں، شرمائی ہوئی نگاہیں گویا کہ ایک سوگوار کسی کے غم میں عزادار تھا، بال بکھرے ہوئے چہرے پہ خاک کربلا کا غازہ ملے ہوئے۔ اچھایوں گریباں چاک صبح عاشور نمودار ہوئی۔ یہ صبح اس دن کی اس شام کی پیغامبر ہے جب دنیا سے آفتاب امامت غروب ہو چکے گا شمع حرم خاموش اور چراغ مدینہ گل ہوجائے گا دن چڑھتے چڑھتے فوجیں آمادۂ پیکار ہوچکیں، لشکر صف بستہ میمنہ اور میسرہ کی ترتیب ہو چکی ایک مظلوم سید، فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کو ہزاروں اور لاکھوں خونخوار آمادہ وکمربستہ ہوگئے لیکن اس عبرتناک موقع پر بھی حسینؑ اور انصار حسینؑ کا ثبات واستقلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی پیشانی پر شکن نہیں، چہرہ پر آثار حزن وملال کا ظہور نہیں، گویا موت ان کی سمجھی بوجھی ہوئی پہچانی ہوئی ہے جس سے ملاقات کا اشتیاق تھا۔

جنگ چھڑی، خون کے دریا امنڈنا شروع ہوگئے۔ حسینؑ کے اصحاب واعزا ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ بچپنے کے دوست حبیب ابن مظاہرؓ گئے، زہیر قین، مسلم ابن عوسجہ رخصت ہوئے، اعزا کی باری آئی، عقیلؑ وجعفرؑ کی اولاد کام آئی، لیکن مصائب کے اضافے کے ساتھ حسینؑ کے چہرے پر سرخی بڑھتی جاتی ہے۔ نورانیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اکبرؑ میدان میں آئے، تلواریں اور برچھیاں کھائیں، باپ کو داغ جدائی دیا۔ عباسؑ بھی رخصت ہوئے دریا پہ بازو کٹے، سر پر گرز گراں پڑا مگر حسینؑ کے ہاتھ سے صبر واستقلال کا دامن نہ چھوٹا، آخر میں حرملہ کے تیر سہ شعبہ نے معصوم ششماہے علی اصغرؑ کے گلے کو بھی چھیدا اور بچے کا کام حسینؑ کے ہاتھوں پر تمام کر دیا۔ انسانیت کے ہاتھ پیروں میں لرزہ پڑ گیا مگر حسینؑ کے نہ ہاتھ کانپے اور نہ پیر تھرتھرائے۔ کائنات کے ذرے ذرے سے نوحہ وماتم کی صدائیں بلند ہوئیں مگر حسینؑ کے پائے استقلال نہ ڈگمگائے۔ اب بس ایک مرحلہ رہ گیا تھا جو حسینؑ کے واسطے پہلے ہی سے آسان تھا، مگر صبر وتحمل کے جوہر کیونکر کھلتے، اگر پہلے ہی میدان جہاد میں آکر حسینؑ اپنی جان دے دیتے۔ ہوگا یہی۔ مگر ابھی ذرا میدان جنگ کو جمل وصفین کا آئینہ دار بن جانے دو۔ حمزہؓ وجعفرؑ کی بھولی ہوئی شجاعت کی یاد ایک بار پھر تازہ ہوجانے دو۔ علیؑ کی تلوار کے جوہر آخری بار دنیا کے سامنے پھر آجانے دو۔

(بقیہ.....صفحہ ۶۴ پر)

جس کو چڑھایا دوش پہ حضرت نے بارہا
کرتے تھے پیار گود میں لے کر جسے سدا
یعنی حسینؑ تشنہ لب دشت کربلا
ہے اس کا حلق آج تہہ خنجر جفا

پھر دیکھ کر نجف کی طرف بولی وہ حزیں
فریاد یا علیؑ ولیؑ بادشاہ دیں
اعدا کے بس میں آج ہے حضرت کا مہ جبیں
حلقوم پر رواں ہے برادر کے تیغ کیں

کرتا ہے شمر ذبح شہ مشرقین کو
نانا لحد سے نکلو بچاؤ حسینؑ کو
بابا نجف سے آ کے مدد برمحل کرو
میرے غریب بھائی کی مشکل کو حل کرو

پہنچو مدد کو ہے دم امداد یا علیؑ
دو دل کی داد اور کرو شاد یا علیؑ
کرتا غضب ہے یہ ستم ایجاد یا علیؑ
بیکس پہ بے وطن پہ یہ بیداد یا علیؑ
فریاد کبریا کی، دُہائی رسولؐ کی
لٹتی ہے کربلا میں کمائی بتولؐ کی

بقلم مولانا شاہ سید احمد اشرف اشرفی ابن مولانا شاہ سید نور محمد اشرف اشرفی
قصبہ جائس، ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ

مولانا شاہ علی حسن احسنؔ جائسی جیسے علوم دینیہ کے بزرگ عالم تھے ویسے ہی عربی، فارسی اور اردو کے باکمال ادیب وشاعر بھی تھے۔ مولانا نے سو سے زائد اردو میں مرثیے تصنیف فرمائے جن میں سے اب تک صرف تین مرثیے دستیاب ہو سکے ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ............ مولانا کا یہ مرثیہ جناب سید ظہیر حسین بھوی (انجینئر) کے ذخیرہ مراثی سے حاصل ہوا ہے خداوند عالم موصوف کو صحت وسلامتی کے ساتھ جزائے خیر دے۔ مرثیہ کے کئی مصرعوں کے ابتدائی الفاظ نہیں پڑھے جا سکے اگر کسی قاری کو وہ لفظ صحیح سمجھ میں آ جائیں تو بندہ کو ضرور مطلع فرمائیں۔ (اسیفؔ جائسی)

(بقیہ............ یثرب کا مسافر سرزمین کربلا پر)

جنگ کی اور تاریخ شجاعت کو الٹ کر صفحات عالم سے بہادران روزگار کے نقوش شجاعت مٹا کر اس منزل پر پہنچے جس کے وہ منتظر تھے۔ آخر نیزوں اور تلواروں، تیروں اور سنانوں میں مظلوم کا خون تقسیم ہوا۔ شمر ملعون کے کند خنجر نے انسانیت کے جسم وجان کے باہمی ارتباط کو منقطع کیا۔ حسینؑ شہید ہوئے اور قافلہ بہ عزم وارادہ اپنی آخری منزل پر پہنچا۔ یثرب سے چلا ہوا مسافر کربلا کی سرزمین پر منزل مقصود تک پہنچ کر رُکا۔ نوک نیزہ پر سربلند ہوا اور حسینؑ نے اپنے سر کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی سربلند کر کے دم لیا۔
دنیا مٹ جائے گی۔ مگر حسینؑ کے کارنامے قدرت کی یاد کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ یاد آتے رہیں گے۔

حسینیت زندہ باد یزیدیت مردہ باد

❀❀❀